اعلیٰ حضرت مجددِ دین وملت امامِ اہلسنّت شاہ مولانا احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کے اِرشادات کا مجموعہ

مُسَمّٰی بنامِ تاریخی

اَلمَلفُوظ (مکمل 4 حصے)

۱۳۳۸ھ
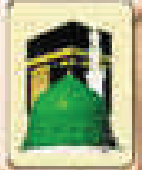
معروف بہ

ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

﴿مع تخریج وتسہیل﴾

مؤلّف:

شہزادۂ اعلیٰحضرت تاجدارِ اہلسنّت مفتیٔ اعظم ہند

حضرتِ علامہ مولانا محمد مصطفٰی رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن

پیش کش

مجلس المدینۃ العلمیۃ (دعوتِ اسلامی)

ناشِر

مکتبۃُ المدینہ بابُ المدینہ کراچی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّ حِیۡم ط

نام کتاب: **الملفوظ**

پیش کش: مجلس اَلۡمَدِیۡنَۃُ الۡعِلۡمِیّۃ

سِنِ طباعت: 12 جُمادَی الاُخریٰ 1430ھ، بمطابق 5 جون 2009ء

قیمت:

ناشر: **مَکۡتَبَۃُ الۡمَدِیۡنہ** فیضانِ مدینہ محلّہ سوداگران پرانی سبزی منڈی باب المدینہ (کراچی)

E.mail:ilmia26@dawateislami.net

E.mail.maktaba@dawateislami.net

Ph:4921389-90-91 Ext:1268

توکُّل کی تعریف

اعلیٰ حضرت، اِمامِ اَہلسنّت، مولیٰنا شاہ **امام اَحمد رضا خان** علیہ رحمۃُ الرَّحمٰن فرماتے ہیں: توکُّل ترکِ اسباب کا نام نہیں بلکہ اعتماد علی الاسباب کا ترک ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۲۴ ص۳۷۹) **یعنی** اسباب ہی کی چھوڑ کر دینا توکُّل نہیں ہے توکُّل تو یہ ہے کہ اسباب پر بھروسہ نہ کرے۔

سب کو ایسا تندُرُست (تَن ۔دُ رُست) پایا کہ گویا مَرض ہی نہ تھا، درد وغیرہ کیسا! اس کا ضُعف بھی نہ رہا۔ سب ڈھائی تین میل پیا دہ (یعنی پیدل) چل کر سَمُنْدَر (سَمُن ۔دَر) کے کنارے پہنچے۔

غیب سے مدد

جَدہ شریف میں جب جہاز پہنچا حجاج کی بے حد کثرت اور جانے کا صِرف ایک راستہ جو دوطرفہ ٹَٹِّیوں (ٹَٹ ۔ٹِیوں، یعنی بانس یا سرکنڈوں وغیرہ سے بنائی گئی دیواروں) سے بہت دور تک مَحْدُود (یعنی گھرا ہوا)۔ بھلا ایسی حالت میں کس طرح گزر ہو! زَنانی سواریاں ساتھ۔ پانچ گھنٹے اسی اِنتظار میں گذر گئے کہ ذرا ہجُوم کم ہو تو سواریوں کو لے چلیں لیکن اس وقت سلسلہ مُنْقَطِع (مُن ۔قَطِع) (یعنی ختم) نہ ہونا تھا نہ ہوا۔ یہاں تک کہ دوپہر قریب ہوگیا۔ دھوپ اور بھوک اور پیاس سب باتیں جمع تھیں کہ ننھے میاں اور سب لوگ نہایت پریشان! جب بہت دیر ہوگئی تو ننھے میاں اور حامد رضا خاں نے مجھ سے آ کر کہا: یہاں آخر کب تک بھوکے پیاسے دھوپ میں کھڑے رہیں گے؟ میں نے کہا: تمہیں جلدی ہے تو جاؤ، میں تاوقتیکہ بھیڑ کم نہ ہو، زنانی سواریوں کو نہیں لے جاؤں گا۔ اب کس کی مجال تھی جو کچھ کہتا، مجبوراً خاموش ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک عربی صاحب جن کو اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا، میرے پاس تشریف لائے اور بعد سلام علیک پہلا لفظ یہ فرمایا: ''یَا شَیْخُ مَا لِی اَرَاكَ حَزِیْنًا کیا سبب ہے کہ میں آپ کو پریشان دیکھ رہا ہوں؟'' میں نے عرض کیا: ''پریشانی ظاہر ہے، ہمارے ساتھ میں مستورات ہیں اور مردوں کا یہ کثیر ہجوم، ہمیں پانچ گھنٹے یہیں کھڑے ہوگئے۔'' فرمایا: ''اپنے مردوں کا حَلْقَہ (حَلْ ۔قَہ) بنا کر عورتوں کو درمیان میں لے لو اور میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔'' غرض حلقہ میں عورتوں کو لے کر ان عربی صاحب کے پیچھے ہو لئے۔ ہم نے دیکھا کہ راستہ بھر ہمارے شانے (یعنی کندھے) سے بھی کسی غیر شخص کا شانہ نہیں لگا۔ جب راستہ طے ہوا فوراً وہ عربی صاحب نظروں سے غائب ہو گئے۔

المدد یا رسولَ اللّٰہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم)

جَدَّہ پہنچتے ہی مجھے بخار آ گیا اور میری عادت ہے کہ بخار میں سردی بہت معلوم ہوتی ہے۔ محاذاتِ یَلَمْلَم [1] سے

[1]: یعنی: یَلَمْلَم پہاڑ کے سامنے، پاک و ہندوالوں کے لئے میقات (یعنی احرام باندھنے کا مقام) کو یَلَمْلَم کی محاذات ہے یہ جگہ کامران سے نکل کر سمندر میں آتی ہے۔ (فتاوی رضویہ ،ج ۱۰ ،ص ۷۳۱)

بِحَمْدِ اللّٰہ تَعَالٰی احرام بندھ چکا تھا۔اس سردی میں رضائی گردن تک اوپر سے ڈال لیتا کہ احرام میں چہرہ چھپانا منع ہے، سوجاتا آنکھ کھلتی تو بِحَمْدِ اللّٰہ تَعَالٰی رضائی گردن سے اصلاً (یعنی بالکل) نہ بڑھی ہوتی۔تین روز جدّہ میں رہنا ہوا اور بخار ترقی پر ہے،آج چل کر جدّہ کے کھلے میدان میں رات بسر کرنی ہوگی۔بخار میں کیا حالت ہوگی؟ سرکارِاقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی۔بِحَمْدِ اللّٰہ تَعَالٰی بخار معاً (یعنی فوراً) جاتا رہا اور تیرھویں تک عَود نہ کیا (یعنی دوبارہ نہ آیا)۔جب بِفَضْلِہٖ تَعَالٰی تمام مناسکِ حج سے فارغ ہولئے،تیرہویں تاریخ بخار نے عَود کیا۔میں نے کہا:''اب آیا کیجئے،ہمارا کام ربُّ العزت نے پورا کر دیا۔''

لائبریرین کی اعلٰی حضرت سے عقیدت

بعد فراغِ مناسک،کتب خانۂ حرمِ محترم کی حاضری کا شُغل رہا۔پہلے روز جو حاضر ہوا،حامد رضا خاں ساتھ تھے۔محافظِ کتبِ حرم ایک وجیہ وجمیل عالمِ نبیل مولانا سید اسمٰعیل (علیہ رحمۃ اللہ الجلیل) تھے۔یہ پہلا دن اُن کی زِیارت کا تھا۔یہ حضرت مثل دیگر اکابرِ مکہ مکرمہ اِس فقیر سے غائبانہ خلوصِ تام رکھتے تھے جس کا سبب میرا فتویٰ مسمّٰی بہ''فَتَاوَی الْحَرَمَین بِرَجفِ نَدْوَۃِ الْمَین'' تھا کہ سات برس پہلے ۱۳۱۶ھ میں ردِّ ندوہ کے لئے اٹھائیس سوال و جواب پر مشتمل جسے میں نے بیں گھنٹے سے کم میں لکھا تھا اور بذریعہ بعض حجاج خادمانِ دین اِن حضرات کے حضور پیش ہوا اور انہوں نے اپنی گراں بہا (یعنی قیمتی) تقریظات سے اسے مُزَیَّن (یعنی آراستہ) فرمایا اور فقیر کو بے شمار اعلیٰ اعلیٰ درجے کے کلماتِ دُعا وثنا کا شرف دیا اور وہ مع ترجمہ ایک مبسوط کتاب ہوکر بمبئی ۱۳۱۷ھ میں طبع ہوکر شائع ہو چکا تھا۔اُس وقت سے مولا عَزَّوَجَلَّ نے اِس ذرہ بے مقدار کی کمال محبت ووقعت اُن جلیل قلوب میں ڈال دی تھی مگر ملاقاتِ ظاہری نہ ہوئی تھی۔حضرت مولانا موصوف سے کچھ کتابیں مطالعہ کے لئے نکلوائیں۔حاضرین میں سے کسی نے اِس مسئلہ کا ذکر کیا کہ قبلِ زوال رَمی (یعنی زوال کے وقت سے پہلے جمرات یعنی شیطان کو کنکریاں مارنا) کیسی؟ مولانا نے فرمایا:''یہاں کے علماء نے جواز پر فتوی دیا ہے۔'' حامد رضا خاں سے اِس بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔مجھ سے اِستفسار (یعنی سوال) ہوا،میں نے کہا:''خلافِ مذہب (یعنی اَحناف کے مَوقِف کے خلاف) ہے۔'' مولانا سید صاحب نے ایک مُتَدَاوَل (یعنی مُرَوَّج) کتاب کا نام لیا کہ اُس میں جواز کو''عَلَیْہِ الْفَتْوٰی ''(یعنی اِسی پر فتوی ہے) لکھا ہے۔میں نے کہا:ممکن کہ روایتِ جواز ہو مگر''عَلَیْہِ الْفَتْوٰی'' ہرگز نہ ہوگا۔وہ کتاب لے آئے،مسئلہ نکلا اور اُسی صورت

سے نکلا جو فقیر نے گزارش کی تھی یعنی اُس میں ''عَلَیْہِ الْفَتْوٰی'' کا لفظ نہ تھا۔ حضرت مولانا نے حامد رضا خاں سے کان میں جھک کر مجھے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ اور حامد رضا خاں کو بھی نہ جانتے تھے مگر اُس وقت گفتگو انہیں سے ہو رہی تھی لہٰذا اُن سے پوچھا۔ انہوں نے میرا نام لیا۔ نام سنتے ہی حضرت مولانا وہاں سے اٹھ کر بیتابانہ دوڑتے ہوئے آکر فقیر سے لپٹ گئے۔ پھر تو بِحَمْدِ اللّٰہ تَعَالٰی وِدَاد (یعنی الفت ودوستی) نے کامل ترقی کی۔

مسئلۂ علمِ غیب پر دو گھنٹے تک دلائل دئیے

اِس بار سرکارِ حرم محترم میں میری حاضری بے اپنے اِرادے کے جس غیر متوقع طور اور غیر معمولی طریقوں پر ہوئی اُس کا کچھ بیان اوپر ہو چکا ہے، وہ حکمتِ الٰہیہ یہاں آکر کُھلی۔ سننے میں آیا کہ وہابیہ پہلے سے آئے ہوئے ہیں جن میں خلیل احمد انبیٹھی، بعض وزرائے ریاست اور دیگر اہلِ ثروت (یعنی اُمرا) بھی ہیں۔ حضرت شریف (یعنی گورنر مکہ) تک رسائی پیدا کی ہے اور مسئلہ علمِ غیب چھیڑا ہے اور اس کے متعلق کچھ سوال اَعلم علمائے مکہ (یعنی مکے کے سب سے بڑے عالم) حضرت مولانا شیخ صالح کمال سابق قاضیِ مکہ و مفتیِ حنفیہ کی خدمت میں پیش ہوا ہے۔ میں حضرت موصوف کی خدمت میں گیا۔ حضرت مولانا مولوی وصی احمد صاحب محدِّث سورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے صاحبزادے عزیزی مولوی عبدالاحد صاحب بھی ہمراہ تھے۔ میں نے بعدِ سلام و مصافحہ مسئلہ علمِ غیب کی تقریر شروع کی اور دو گھنٹے تک اسے آیات واحادیث واقوالِ ائمہ سے ثابت کیا اور مخالفین جو شبہات کیا کرتے ہیں اُن کا ردّ کیا۔ اس دو گھنٹے تک حضرت موصوف محض سکوت (یعنی خاموشی) کے ساتھ ہمہ تن گوش (یعنی مکمل متوجہ) ہو کر میرا منہ دیکھتے رہے۔ جب میں نے تقریر ختم کی، چُپکے اٹھتے ہوئے، قریب الماری رکھی تھی، وہاں تشریف لے گئے اور ایک کاغذ نکال لائے جس پر مولوی سلامت اللہ صاحب رامپوری (علیہ رحمۃ اللہ القوی) کے رسالہ ''اِعْلَامُ الْاَذْکِیَاء'' کے اس قول کے متعلق کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ''ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (یعنی وہی اوّل، وہی آخر، وہی ظاہر، وہی باطن، اور وہ سب کچھ جانتے ہیں)'' لکھا، چند سوال تھے اور جواب کی چار سطریں ناتمام اٹھالائے مجھے دکھایا اور فرمایا: ''تیرا آنا اللہ (عَزَّوَجَلَّ) کی رحمت تھا ورنہ مولوی سلامت اللہ کے کفر کا فتویٰ یہاں سے جا چکتا۔'' میں حمدِ الٰہی (عَزَّوَجَلَّ) بجالایا اور فُرُودگاہ (یعنی قیام گاہ) پر واپس آیا۔

علمائے حرم کی فرمائش پر صرف دو دن میں علمِ غیب کے موضوع پر "اَلدَّوْلَۃُ الْمَکِّیَّۃ" تصنیف فرمائی

مولانا سے مقامِ قیام کا کوئی تذکرہ نہ آیا تھا۔اب وہ فقیر کے پاس تشریف لانا چاہتے ہیں اور حج کا ہنگامہ اور جائے قیام نامعلوم، آخر خیال فرمایا کہ ضرور کتب خانہ میں آیا کرتا ہوگا۔ ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کی تاریخ ہے، بعد نمازِ عصر میں کتب خانے کے زینے (یعنی سیڑھی) پر چڑھ رہا ہوں، پیچھے سے ایک آہٹ معلوم ہوئی، دیکھا تو حضرت مولانا شیخ صالح کمال (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ہیں، بعد سلام و مصافحہ دفترِ کتب خانہ میں جا کر بیٹھے۔ وہاں حضرت مولانا سید اسمٰعیل اور ان کے نوجوان سعید، رشید بھائی سید مصطفیٰ اور ان کے والد ماجد مولانا سید خلیل اور بعض حضرات بھی کہ اِس وقت یاد نہیں، تشریف فرما ہیں۔ حضرت مولانا شیخ صالح کمال نے جیب سے ایک پرچہ نکالا جس پر علمِ غیب کے متعلق پانچ سوال تھے ﴿یہ وہی سوال ہیں جن کا جواب مولانا نے شروع کیا تھا اور تقریرِ فقیر کے بعد چاک فرما (یعنی پھاڑ) دیا﴾ مجھ سے فرمایا: یہ سوال وہابیہ نے حضرت سیّدُنا کے ذریعہ سے پیش کئے ہیں اور آپ سے جواب مقصود ہے۔ ﴿سیدنا وہاں شریفِ مکہ کو کہتے ہیں کہ اس وقت شریف علی پاشا تھے﴾ میں نے مولانا سید مصطفیٰ سے گزارش کی کہ قلم دوات دیجئے۔

حضرت مولانا شیخ کمال و مولانا سید اسمٰعیل و مولانا سید خلیل سب اکابر (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) نے کہ تشریف فرما تھے، ارشاد فرمایا کہ ہم ایسا فوری جواب نہیں چاہتے بلکہ ایسا جواب ہو کہ خبیثوں کے دانت کھٹے ہوں۔ میں نے عرض کی کہ اس کے لئے قدرے مہلت چاہئے، دو گھڑی دن باقی ہے اس میں کیا ہو سکتا ہے؟ حضرت مولانا شیخ صالح کمال (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے فرمایا: "کل سہ شنبہ (یعنی منگل)، پرسوں چہار شنبہ (یعنی بدھ) ہے، اِن دو روز میں ہو کر پنجشنبہ (یعنی جمعرات) کو مجھے مل جائے کہ میں شریف کے سامنے پیش کر دوں۔" میں نے اپنے ربّ عَزَّوَجَلَّ کی عنایت اور اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اِعانت (یعنی مدد) پر بھروسہ کر کے وعدہ کر لیا اور شانِ الٰہی (عَزَّوَجَلَّ) کہ دوسرے ہی دن سے بخار نے پھر عود کیا، اسی حالتِ تپ (یعنی بخار) میں رسالہ تصنیف کرتا اور حامد رضا خاں تبییض کرتے (یعنی مُسَوَّدے کو صاف اور خوشخط کر کے لکھتے)، اس کا شُہرہ مکہ معظّمہ میں ہوا کہ وہابیہ نے فلاں کی طرف سوال متوجہ کیا ہے اور وہ جواب لکھ رہا ہے۔

نَقْل کی تَصْحِیح (تَص ۔حِیح) کررہا تھا۔اس وقت تک نہ انہوں نے مجھے جانا ہے نہ میں نے ان کو،اتنے میں انہوں نے دوات ایک ایسی کتاب پر رکھ دی جسے نہ دیکھ رہے تھے نہ اس سے کچھ نَقْل کررہے تھے،میں نے ان پر نہ اعتراض کیا بلکہ کتاب کی تعظیم کے لئے اتار کر نیچے رکھ دی،انہوں نے پھر اٹھا کر کتاب پر رکھ دی اور کہا ''بَحرُ الرَّائق کتَابُ الْکرَاھِیَة''میں اس کے جواز کی تصریح ہے۔میں نے ان سے یہ تو نہ کہا کہ ''بَحرُ الرَّائق'' کتَابُ الْکرَاھِیَة تک کب پہنچی وہ ''کتَابُ الْقَضَاء'' میں ہی ختم ہوگئی ہے،ہاں یہ کہا کہ ایسا نہیں بلکہ ممانعت کی تصریح فرمائی ہے مگر لکھتے وقت بضرورت مثلاً وَرَق ہوا سے اُڑیں نہیں ۔کہا کہ میں لکھنا ہی تو چاہتا ہوں میں نے کہا:ابھی لکھتے تو نہیں ہو،وہ خاموش ہورہے اور حضرت سید اسمٰعیل سے مجھے پوچھا،انہوں نے فرمایا کہ یہ ہی اس رسالے کا مصنّف ہے،اب ملے مگر خجلت (یعنی شرمندگی) کے ساتھ اور عجلت کے ساتھ (یعنی جلدی سے) اٹھ گئے۔حضرت سید اسمٰعیل نے فرمایا:'' سُبحَانَ اللّٰہ !یہ کیسا واقعہ ہوا۔''

آبِ زم زم سے علاج

یہ چہارُم صفر ۱۳۲٤ھ تھی اس سے پہلے محرم شریف میں شدید ومَدِید (یعنی انتہائی سخت اور طویل) دورہ بخار کا رہ چکا تھا۔دوبارہ مسہل ہوئے،ایک بار ایک ہندی کی رائے سے اور نفع نہ ہوا۔دوبارہ ایک ترکی ڈاکٹر رمضان آفندی نے بہت قلیل مقدار میں ایک نمک دیا کہ آبِ زمزم شریف میں ملا کر پی لو اور پیاس بے پیاس زمزم شریف کی کثرت کرو۔اس سے بِحَمْدِاللّٰہ تعالٰی بہت نفع ہوا اور انہوں نے دوا وہ بتائی جو مجھے بالطبع محبوب ومرغوب تھی یعنی زمزم شریف کہ مجھے ہر مشروب سے زیادہ عزیز ہے،میری عادت ہے کہ باسی پانی کبھی نہیں پیتا اور اگر پیوں تو باآنکہ (یعنی اس وجہ سے کہ) مزاج گرم ہے فوراً زکام ہوجاتا ہے۔میری پیدائش سے پہلے حکیم سید وزیر علی مرحوم نے میرے یہاں باسی پانی کو منع کردیا تھا،جب سے معمول ہے کہ رات کے گھڑے بالکل خالی کر کے پینے کا پانی بھرا جاتا ہے تو میں نے دودھ بھی باسی پانی کا نہ پیا،نہ کبھی نہار منہ پانی پیتا ہوں،نہ کبھی کھانے کے سوا اور وقت میں،گرمیوں کی سہ پہر میں جو پیاس ہوتی ہے اس میں کلیاں کرتا ہوں اس سے تسکین ہوتی (یعنی سکون ملتا) ہے مگر زمزم شریف کی برکت کہ صحت میں،مرض میں،دن میں،رات میں،تازہ باسی بکثرت پیا اور نفع ہی کیا۔زَورقیں (یعنی پانی بھرنے کے ڈنڈی دار برتن) ہر وقت بھری رکھی رہتی تھیں،بخار کی شدت میں رات کو جب آنکھ کھلی۔کلی

کرکے زمزم شریف پی لیا۔ وضو سے پہلے پیتا، وضو کے بعد پیتا بارہ بارہ زورقیں ایک دن رات میں صرف میرے صَرف (یعنی استعمال) میں آتیں، پونے تین مہینے کے قیامِ مکہ معظّمہ میں میں نے حساب کیا تو تقریباً چار مَن زمزم شریف میرے پینے میں آیا ہوگا۔

حضرت مولانا سید اسمٰعیل (علیہ رحمۃُ اللہِ الجلیل) کو **اللہ** تعالیٰ جناتِ عالیہ نصیب فرمائے، میری واپسیِ حج کے چند سال بعد ۱۳۲۸ھ میں مجھ سے ملنے آئے ہیں اور میرے شوقِ زمزم کا ذکر ہوا، فرمایا تھا "کہ ہر مہینے اتنے طنک یعنی پیپے بھیج دیا کروں گا کہ تمہارے ایک مہینے کے صَرف کو کافی ہوں۔" مگر یہاں سے جاتے ہی انہیں سفرِ بابِ عالی کی ضرورت ہوئی اور مشیتِ الٰہی کہ وہیں انتقال فرمایا۔ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰى عَلَيْهِ رَحْمَةً وَاسِعَةً

عُلَماءِ حَرَم کا عِیادت کے لئے آنا

محرم شریف مجھے تقریباً بخار ہی میں گزرا، اُسی حالت میں علمائے کرام کو اِجازات لکھی جاتیں اور اِسی حالت میں "كِفْلُ الْفَقِيه" تصنیف ہوا۔ وہاں پلنگ کا بھی رواج نہیں بالاخانوں (یعنی گھر کی اُوپری منزلوں میں) میں زمین پر فرش ہیں اس پر سوتے ہیں مگر حضرت سید اسمٰعیل وحضرت مولانا شیخ صالح کمال رحمہما اللہ تعالیٰ نے میرے لیے ایک عمدہ پلنگ منگوا دیا تھا۔ ایامِ مرض میں مَیں اسی پر ہوتا اور علماء عظماء عیادت کو آتے اور فرش پر تشریف رکھتے میں اِس سے نادِم ہوتا، ہر چند چاہتا کہ نیچے اُتروں مگر قسموں سے مجبور فرماتے۔

سفرِ مدینہ کی تیاری

اِمتِدادِ مرض (یعنی بیماری کے طویل ہوجانے) میں مجھے زیادہ فکر حاضریٔ سرکارِ اعظم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلم) کی تھی۔ جب بخار کو اِمتداد دیکھا، میں نے اُسی حالت میں قصدِ حاضری کِیا، یہ علما (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) مانع ہوئے (یعنی روکنے لگے)۔ اوّل تو یہ فرمایا "کہ حالت تو تمہاری یہ ہے اور سفر طویل!" میں نے عرض کی: "اگر سچ پوچھئے تو حاضری کا اصل مقصود زیارتِ طیبہ ہے، دونوں بار اسی نیت سے گھر سے چلا، مَعَاذَ اللّٰه اگر یہ نہ ہو تو حج کا کچھ لطف نہیں۔" انہوں نے پھر اِصرار اور میری حالت

سیِّد جلیل کی عقیدت

اسی واقعۂ مفتیِ حنفیہ کے وقت میں نے جناب سید مصطفٰے خلیل برادر حضرت سید اسمٰعیل (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما) سے کہا "ھَلْ عِنْدَکُمْ شَیْئٌ مِنْ ھُزْمَۃِ جِبْرِیْلَ" آپ کے پاس سیدنا جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ٹھوکر کا کچھ بقیہ ہے؟[1] سیدزادے نے فرمایا: "نَعَمْ (یعنی ہاں)" اور کٹورے میں زمزم شریف لائے۔ میں اِسے ضُعف (یعنی کمزوری) کے سبب بیٹھا ہی ہوا پی رہا تھا، آنکھیں نیچی تھیں، جب نظر اٹھائی، دیکھا تو وہ سید جلیل مؤدب ہاتھ باندھے کھڑے تھے یہاں تک کہ کٹورا میں نے اُنہیں دیا۔ یہ حال ان مُعظّم ومُعزّز بندگانِ خدا کے ادب و اِجلال کا تھا۔

حضرت شیخ صالح کمال کی محبت

بایں ہمہ (یعنی اس سب تعظیم وتوقیر کے باوجود) شدتِ مرض وشوقِ مدینہ طیبہ میں جب وہ جملہ میں نے کہا کہ "روضۂ انور پر ایک نگاہ پڑ جائے پھر دَم نکل جائے۔" دونوں علمائے کرام کا غصے سے رنگ مُتغیّر ہوگیا اور حضرت مولانا شیخ صالح کمال نے فرمایا: "ہرگز نہیں بلکہ "تَعُوْدُ ثُمَّ تَعُوْدُ ثُمَّ تَعُوْدُ ثُمَّ یَکُوْنُ" تو روضۂ انور پر اب حاضر ہو، پھر حاضر ہو، پھر حاضر ہو، پھر مدینہ طیبہ میں وفات نصیب ہو۔" مولیٰ تعالیٰ اُن کی دُعا قبول فرمائے۔

والِد محترم کی بشارت

ان کی اِس غایت محبت کے غصے نے مجھے وہ حالت یاد دلائی جو اس حج سے تیرہ چودہ برس پہلے میں نے خواب میں اپنے حضرت والد ماجد قدس اللہ سرہ العزیز سے دیکھی تھی۔ میں اس زمانہ میں بشدّت دردِ کمر اور سینہ میں مبتلا تھا اسے بہت اِمتداد و اِشتداد ہوا تھا (یعنی یہ درد بہت طویل وشدید تھا)۔ ایک روز دیکھا کہ حضرت تشریف لائے اور حضرت کے شاگرد مولوی برکات احمد صاحب مرحوم کہ میرے پیر بھائی اور حضرت پیر مرشد برحق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فدائی تھے۔ کم ایسا ہوا ہوگا کہ حضرت پیر و مرشد کا نام پاک لیتے اور ان کے آنسو رَواں (یعنی جاری) نہ ہوتے، جب ان کا اِنتقال ہوا اور میں دفن کے وقت ان کی قبر میں

---

[1]: ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے زمین پر ٹھوکر ماری تھی جس سے زم زم نکل آیا تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن، البقرۃ، تحت الآیت: ۲۵۱، ج۲، ص۱۹۶) غالبًا یہاں اسی روایت کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے۔

اُترا مجھے بلا مبالغہ وہ خوشبو محسوس ہوئی جو پہلی بار روضۂ انور کے قریب پائی تھی ۔ ان کے انتقال کے دن مولوی سید امیر احمد صاحب مرحوم خواب میں زیارت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مُشرَّف ہوئے کہ گھوڑے پر تشریف لئے جاتے ہیں ۔عرض کی: یارسولَ اللہ! (عَزَّوَجَلَّ وصلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) حضور کہاں تشریف لے جاتے ہیں؟ فرمایا: ''برکات احمد کے جنازے کی نماز پڑھنے ۔'' [1] یہ وہی برکاتِ احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھیں کہ محبتِ پیرومرشد کے سبب انہیں حاصل ہُوئیں ۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝
(پ ۲۸، الجمعة: ٤)

ترجمۂ کنزالایمان : یہ **اللّٰہ** کا فضل ہے جسے چاہے دے اور **اللّٰہ** بڑے فضل والا ہے۔

ہاں تو اس خواب میں دیکھا کہ مولوی برکات احمد صاحب (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) بھی حضرت والد ماجد قدس سرہ العزیز کے ہمراہ میری عیادت کو تشریف لائے ہیں ۔ دونوں حضرات نے مزاج پرسی فرمائی ۔ میں شدتِ مرض سے تنگ آچکا تھا، زبان سے نکلا کہ ''حضرت دعا فرمائیں کہ اب خاتمہ ایمان پر ہوجائے ۔'' یہ سنتے ہی حضرت والد ماجد قدس سرہ الشریف کا رنگ مبارک سرخ ہوگیا اور فرمایا: ''ابھی تو باون برس مدینے شریف میں ۔'' واللّٰہُ اَعلَم اِس ارشاد کے کیا معنی تھے مگر اِس کے بعد جو دوبارہ حاضرِی مدینہ طیبہ ہوئی ہے اُس وقت مجھے باون واں (52) ہی سال تھا یعنی اکاون برس پانچ مہینے کی عمر تھی، یہ چودہ برس کی پیش گوئی حضرت نے فرمائی ۔ **اللّٰہ** تعالیٰ اپنے بندوں کو کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلامانِ غلام کے کفش بردار ہیں، علومِ غیب دیتا ہے اور وہابیہ کو جنابِ سرکار (صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم) سے انکار ہے۔

[1]: حضرت مولانا برکات احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے جنازہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی شرکت کا معاملہ ایسا ہے جس کی نظیر دورِ صحابہ میں بھی موجود ہے چنانچہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے خواب میں آکر فرمایا ''لا حضر جنازة ابی بکر الصدیق '' مجھے ابوبکر کے جنازہ میں جانا ہے (فتوح الشام، ج ۱، ص ۷۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز جنازہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی تھی۔ (تاریخ الخلفاء ، ص ۲۵) امام جلال الدین سیوطی علیہ رحمۃ اللہ القوی لکھتے ہیں ''امت کے نیک لوگوں کے جنازہ میں تشریف لے جانے وغیرہ ایسے امور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے افعال برزخیہ میں سے ہیں جیسا کہ احادیث واثار میں وارد ہوا۔''
(الحاوی للفتاوٰی، ج ۲ ص ۱۸۵ حدیث ۳۷۹۶)

روزہ نہ چھوڑنا

ابھی چند سال ہوئے ماہِ رجب میں حضرت والد ماجد قدس اللہ سرہ الشریف خواب میں تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا: ''اب کی رمضان میں مرض شدید ہوگا روزہ نہ چھوڑنا۔'' ویسا ہی ہوا اور ہر چند طبیب وغیرہ نے کہا (مگر) میں نے بِحَمْدِ اللّٰہ تعالیٰ روزہ نہ چھوڑا اور اسی کی برکت نے بِفَضْلِهٖ تَعَالٰی شفا دی کہ حدیث میں ارشاد ہوا ہے:

صُوْمُوْا تَصِحُّوْا روزہ رکھو تندرست ہو جاؤ گے۔

(المعجم الاوسط، الحدیث ۸۳۱۲، ج۶، ص ۱٤۷)

پڑھنے کی خواہش

وہ حضرات علماء بہت اس کے مُتَمَنّی (یعنی خواہش مند) رہتے کہ کسی طرح میرا وہاں قیام زائد ہو۔ حضرت مولانا سید اسمٰعیل (علیہ رحمۃ اللہ الجلیل) نے فرمایا: ''یہاں کی شدتِ گرمی تمہارے لیے باعثِ تَپ (یعنی بخار کا سبب) ہے۔'' طائف شریف میں موسم نہایت مُعْتَدِل اور وہاں میرا مکان بہت پُر فضا ہے، چلئے گرمی کا موسم وہاں گزاریں۔'' میں نے گذارش کی کہ ''اِس حالتِ مرض میں قابلیتِ سفر ہو تو سرکارِ اعظم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہی کی حاضری ہو۔'' ہنس کر فرمایا کہ ''میرا مقصود یہ تھا کہ چند مہینے وہاں تنہائی میں رہ کر تم سے کچھ پڑھتے کہ یہاں تو آمد و شُد (یعنی آنے جانے والوں) کے ہجوم سے تمہیں فرصت نہیں۔''

شادی کی پیش کش

مولانا شیخ صالح کمال (رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا: ''اِجازت ہو تو ہم یہاں تمہاری شادی کی تجویز کریں۔'' میں نے کہا: ''وہ کنیزِ بارگاہِ الٰہی (عَزَّوَجَلَّ) جسے میں اُس کے دربار میں لایا اور اُس نے مناسکِ حج ادا کیے، کیا اس کا بدلہ یہی ہے کہ میں اسے یوں مَغْمُوم (یعنی غم زدہ) کروں؟'' فرمایا: ''ہمارا خیال یہ تھا کہ یوں یہاں تمہارے قیام کا سامان ہو جاتا۔''

وہ بُزُرگ کون تھے؟

اس طُولِ مرض میں کئی ہفتے حاضریِ مسجدِ اقدس سے محروم رہا کہ میں جس بالا خانے (یعنی گھر کی اُوپری منزل) پر تھا، چالیس زینے (یعنی سیڑھیوں) کا تھا اور اس سے اترنا اور چڑھنا نا مقدور (یعنی دشوار ترین) تھا۔ مسجد الحرام شریف میں کوئی